لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل صاحب

انقلاب کی دستک

میں نے اپنے گذشتہ مضمون " پاکستان انقلاب کی دہلیز پر " میں کچھ اشارے کئے تھے کہ حالات کس نہج پر جارہے ہیں ۔ یہ مضمون ۲ دسمبر سے قبل ہی شائع ہوگیا تھا ۔ ۲ دسمبر کے بعد کے حالات نے صورتحال کو یکسر بدل کر رکھ دیا جس سے نئے سوالات پیدا ہوئے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا جواب دینا ضروری ہوگیا ہے ۔ آئندہ مضامین میں بھی میری کوشش ہوگی کہ حالات کا ممکنہ حد تک درست تجزیہ پیش کرسکوں ۔ عدلیہ اور انتظامیہ کی جنگ میں حقیقی شکست کسے ہوئی اور کون فاتح رہا ، اس سے بحث نہیں لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ عدلیہ کا دھڑن تختہ ہوگیا ہے ۔ میں نے اپنے گذشتہ مضمون میں جن خدشات اور امیدوں کا اظہار کیا تھا ، حالات اب اسی سمت میں جارہے ہیں ۔ نصف صدی سے حالات کو جوں کا توں رکھنے والے ادارے نہ صرف اپنی ساکھ کھو بیٹھے ہیں بلکہ اپنی ناکامی کا واضح اعلان کررہے ہیں ۔ تاریخ کے اس رخ کو جاننے کی ضرورت ہے اور اس مرحلے پر پوری قوم کی درست رہنمائی اور مناسب ترین لائحہ عمل تجویز کرنے کی ضرورت ہے ۔ سب سے پہلے ہمیں دیکھنا ہے کہ عدلیہ کی پوزیشن کیا ہے ؟ ۲۰ مارچ ۱۹۹۷ء کو سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا اس سے عدلیہ کی (ACTIVISM) سامنے آئی ، عدلیہ عظمیٰ نے (SUO MOTO) نوٹس لے کر الجھے ہوئے نظام کو سلجھانے کی کوشش کی ۔ یہ منفی صورتحال کا انتہائی مثبت پہلو تھا اور یوں نظر آنے لگا تھا کہ موجودہ نظام کو پرامن طریقے سے تبدیل کرنے کی صورت پیدا ہوجائے گی ، مگر بعد میں حکومت نے اپنی مصلحتوں کے تحت عدالت سے جنگ چھیڑ دی ۔ یہ معرکہ آگے چل کر شخصی جنگ میں بدل گیا ۔ یہ تاریخ کی چند مثالوں میں سے ایک مثال تھی کہ جب ریاستی ادارے آپس میں ٹکرا گئے ۔ چار سال قبل جب میں نے نرم انقلاب کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا تو اس وقت میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ عدلیہ کی فعالیت اتنی سرعت سے رونما ہوجائے گی ۔ یہ بڑی اچھی بات تھی کہ عدلیہ ناانصافی کا شکار قوم کو ریلیف اور قوت دینے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی ۔ ہمارے یہاں عوام کے حقوق پچاس برس سے معطل تھے اور حکمرانوں نے ملک کے نظریئے یا

عوامی آرزوؤں کو کبھی سرکاری پالیسی کے اندر سمونے یا ریاستی ڈھانچے کو اس کے مطابق ڈھالنے کیلئے کوئی کردار ادا نہیں کیا تھا۔ عدلیہ کی فعالیت سے یہ امید ابھر آئی تھی کہ عوام آئندہ بڑے سے بڑے شخص کے خلاف اپنا مقدمہ پیش کر سکیں گے اور انصاف حاصل کر سکیں گے۔ اس سے یہ امکان بھی پیدا ہورہا تھا کہ عدلیہ اللہ کے قانون کے نفاذ کیلئے کوئی بڑا فیصلہ کرے گی۔ سیکولر جمہوریت کے درمیان فرق کی وضاحت کردے گی۔

پاکستان کو سیکولر جمہوریت کے تحت تو عدل نہیں مل سکتا، نہ ہی اس کیلئے پاکستان بنا تھا۔ اگر اس ملک کو سیکولر جمہوری ریاست ہی بنانا تھا تو پاکستان کی ضرورت ہی کیا تھی؟۔ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں رہ کر بھی حاصل کیا جاسکتا تھا۔ قائداعظم نے کہا تھا ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں تاکہ یہاں اپنے عقائد، نظام اور خواہشات کے مطابق قوانین کا نفاذ کر سکیں۔ عدالت عظمیٰ اس اہم موڑ پر آئین کی شق ۲ الف کی روشنی میں قرآن وسنت کی بالادستی قائم کرکے سیکولر جمہوریت کو ختم کر سکتی تھی۔ آئین کی تشریح کرنا عدلیہ کا کام ہے۔ میرے جیسے لوگوں نے جائز طور پر عدلیہ سے اس کی تشریح کی توقع باندھ رکھی تھی لیکن بعد کے حالات نے بتایا کہ عدالت بھی اس تمام ہنگامے میں پارلیمنٹ اور عدلیہ کی بالادستی کا مسئلہ حل کرنے میں لگی رہی۔ اصل بات سامنے نہیں لاسکی حالانکہ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں ہم نے قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ تو بنالیا لیکن اسے اپنے نظام کا حصہ نہ بناسکے۔ ہمارا نظام اسی طرح عوام دشمن رہا جیسا صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ میں جب "نرم انقلاب" کی بات کرتا تھا تو میری توقع عدلیہ سے ہی ہوتی تھی۔ یہ بہت اچھا موقع تھا کہ عدلیہ قرآن وسنت کو عملاً بالادست بنانے کا اقدام کرتی۔ مثلاً اگر چودھویں ترمیم کا فیصلہ ہی عدلیہ نے کرنا تھا تو آئین کی شق نمبر ۲۲۷ کی روشنی میں کیا جاتا۔ یہ فیصلہ دینا زیادہ آسان تھا کہ قرآن وسنت کی روشنی سے ہٹ کر ملک میں کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا۔ عدالت عظمیٰ اس قانون کی وفاداری کی حد تک تبدیلی درست قرار دیتی مگر اظہار خیال کے حق کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حکم سے ہم آہنگ قرار دیتی۔ رسول کریمؐ نے "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے....." فرماکر یہ مسئلہ خود طے فرمادیا ہے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ترمیم شدہ چودھویں ترمیم سے کوئی جھگڑا بھی نہ اٹھتا اور آئین پر قرآن کی اتھارٹی بھی قائم ہوچکی ہوتی، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا اور عدلیہ کا ادارہ جس سے روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، اس کے اوپر انگلیاں اٹھنے لگیں اور اس کی توہین کی گئی۔ یہاں میں یہ وضاحت کردوں کہ عدلیہ کی سب سے زیادہ توہین خود عدلیہ کے اندر سے ہوئی۔ اب توہین عدالت کا سارا تصور ہی ختم ہوکر رہ گیا ہے چنانچہ عدلیہ

موجودہ حالات میں کوئی کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہی۔ نرم انقلاب کیلئے جو موقع میسر آیا تھا ہم نے وہ ضائع کردیا۔ کیا عدلیہ عزت و وقار سے محرومی کو مستقل طور پر تسلیم کرلے گی؟ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ آنے والے دن ثابت کریں گے کہ عدلیہ میں قوت مدافعت موجود ہے کیونکہ یہ پرانا اور مضبوط ادارہ ہے۔ اس کے اندر سے رد عمل ضرور اٹھے گا اور وہ رد عمل چند ہفتوں میں واضح ہوجائے گا۔ عدلیہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے میں شاید کامیاب ہوجائے لیکن ایک مقام شاید کبھی حاصل نہ کر پائے جو عوام کی حاکمیت بحال کرنے کی صورت میں اسے ملا تھا۔ صدر مملکت کا استعفیٰ بجائے خود کوئی بڑا سانحہ نہیں، لیکن ہمارا یہ بڑا اور اہم ادارہ بھی اس موقع پر بری طرح بے وقار کیا گیا جس طرح اسے نشانہ بنایا گیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ ملک کا صدر بھی ایک شخص اور ایک گھرانے کے تابع ہوگا۔ اس کا معیار، صداقت اور دیانت نہیں ہوگا بلکہ شاید ان کا اوصاف سے محرومی ہی معیار مطلوبہ ٹھہرے۔ پریس میں ممکنہ صدر کا معیار خدا اور خلق کے بجائے ایک شخص کی وفاداری ہی قرار پاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کا آئینی سربراہ آئین کے بجائے کسی شخص کا وفادار ہو۔ یہ ریاست کی عزت وتوقیر کی نفی ہے۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ صدر کو ایک صوبے سے ہونا چاہئیے یا دوسرے صوبے سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس قدر علاقائیت اور صوبائیت کے شکار ہوگئے ہیں کہ صدر مملکت کو پرکھنے کے تمام دوسرے معیار پس پشت ڈال دیئے گئے ہیں۔ بس اعتبار ہے تو صوبے کا۔

تیسرا ادارہ پارلیمنٹ ہے۔ پارلیمنٹ لوٹا کریسی اور دیگر بدعنوانیوں کی وجہ سے پہلے ہی بہت بدنام تھی۔ دیکھنا یہ ہے کہ پارلیمنٹ ان داغوں کو دھو چکی ہے یا ان میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ اس دفعہ پارلیمنٹ نے اپنے وفاداری تو نہیں بدلی۔ لیکن کردار کی بلندی کا ثبوت نہیں دیا۔ ایک شخص کو قانون کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک ایسی جنگ شروع کردی گئی جس سے عدلیہ اور صدر جیسے اداروں کی عزت ختم ہوگئی۔ اس تنازع میں پارلیمنٹ نے کوئی مثبت کردار ادا نہیں کیا۔ نہ کوئی عزت کمائی اس میں شبہ نہیں کہ پارلیمنٹ اس مرتبہ غیر معمولی انداز میں اکھٹی رہی۔ حکومتی پارٹی اور اس کے اتحادی ادھر ادھر نہیں ہوئے۔ لیکن اس کی وجہ اصول نہیں۔ بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ متبادل صورت نہیں تھی۔ دوسرے احتساب کا خوف تھا۔ احتساب سے بچنا ان سب کی قدر مشترک تھی۔ اس سے پہلے اسی پارلیمنٹ نے ممبران کے اثاثوں کا اعلان کرنے کا بل غیر مؤثر کردیا۔ احتساب کے بل میں بہت سقم تھے اور بہت سے جھول رکھے گئے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ابھی تک احتساب کے سلسلے کو یکطرفہ رکھا گیا، لیکن اس پورے عمل کے تابوت میں

آخری کیل اس وقت ٹھونکی گئی کہ جب عدالت نے اس معاملے کو کریدنے کی کوشش کی تو یہ عدالت کی توانائی چھین لینے کے درپے ہوگئے چنانچہ پارلیمنٹ کے وقار میں اس سے اضافہ نہیں ہوا ، کمی ہی ہوئی ہے ۔ ہماری افسر شاہی ہمیشہ عوام دشمن رہی ہے ۔ جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے سے مل کر افسر شاہی نے غریب عوام کو لوٹنے کی ایک انجمن بنا رکھی تھی لیکن اب اس ادارے میں بھی پہلے جیسا دم خم نہیں رہا ۔ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ اگر حکمرانوں پر کوئی وبال آیا تو پہلے ان کی باری آئے گی ۔ اکھاڑ پچھاڑ سے ان کا باہمی ربط ختم ہوگیا ہے ۔ راتوں رات وفاداریاں تبدیل کرنے کی روایت سے بھی اپنا اعتبار کھو رہے ہیں ۔ اس بات کا کم ہی امکان ہے کہ مستقبل میں یہ اپنی کھوئی ہوئی یہوئی قوت دوبارہ حاصل کر سکیں ۔ ریاست کا چوتھا ستون پریس ہے ۔ گذشتہ کئی برسوں سے پریس مکمل طور پر آزاد ہے ۔ حالیہ بحران کے موقع پر مخصوص مفادات کے تحت پریس کے بڑے حصے نے قوم کے سامنے سچ اور جھوٹ کو گڈمڈ کرکے پیش کیا ۔ محاذ آرائی کو ختم کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے شدید سے شدید تر کردیا گیا ۔ جب قیادت کے پیش نظر ملک وملت کے وسیع تر مقاصد کے بجائے کم تر اور محدود تر مقاصد ہوں تو پریس بھی اعلیٰ مقاصد سے ہٹ جاتا ہے ۔ چنانچہ لاڑکانہ اور لاہور کے وزیراعظم کی بات کی گئی ، صوبائیت اور علاقائیت کا تعصب پھیلایا گیا اور سچ اور جھوٹ کی پہچان مشکل کردی گئی ۔ آج بھی قوم کو یہ بتانے سے گریز کیا جارہا ہے کہ اصل مسئلہ کیا تھا اور اس کا حل کیا تھا ....؟ کون حق پر تھا اور اصل مجرم کون ہے ....؟ یہ بتانے کی زحمت بھی نہیں کی جارہی کہ بحران مصنوعی طور پر حل کرنے کے کیسے خطرناک نتائج ہوسکتے ہیں .....؟

۱۹۹۳ء میں فوج کی فعال غیر جانبداری (ACTIVE NEUTRALITY) سے جو سیاسی انتشار پیدا ہوا وہ ہمارے سامنے ہے ۔ اس سے پہلے ہم فوج کی عسکری فعالیت (مارشل لاء) بھی دیکھ چکے تھے ۔ ۹۳ء میں فعال غیر جانبداری والی صورت بھی کارگر نہیں ہوئی تھی ۔ اس لئے اس مرتبہ غیر فعال یا مجہول غیر جانبداری (MASSIVE NEUTRALITY) کا تجربہ کیا گیا ۔ شاید ماضی کے تمام ناکام تجربات کے بعد فوج کے پاس یہی واحد راہ بچی تھی مگر یہ طریقہ کار بھی کارگر نہیں ہوا اس کے باوجود فوج کو بھی ہدف تنقید بنایا جارہا ہے ۔ اس کے باوجود فوج کو بھی ہدف تنقید بنایا جارہا ہے ۔ غیر فعال غیر جانبداری کی خرابی یہ ہے کہ گویا تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی متبادل نہیں یا ہمیں صورتحال سے نمٹنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا ۔ یہ سب خطرناک بات ہے کہ فوج جو ملک کی سلامتی کا آخری اور مضبوط ترین حصار ہے ، اس کی افادیت بھی عوام کی نگاہوں میں مشکوک کردی جائے ۔ دراصل خرابی جیسا کہ میں بار بار عرض کرچکا ہوں اس ہلاکت خیز

سسٹم میں ہے جس کی ہلاکت آفرینی اب اپنی آخری حدوں کو چھوڑ رہی ہے اب یہ نظام اپنے اداروں کو نگل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فوج کو اس کے مہلک اثرات سے بچائے۔

موجودہ حکومت کی گذشتہ نو ماہ کی کارکردگی کو سامنے رکھیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ پاکستان کے عوام کی خواہشات کے مطابق کچھ نہیں ہوا، چاہے حکومت مختلف امور میں الجھنے کا بہانہ کرے یا ان جھگڑوں کا عذر جو اس نے خود کھڑے کئے ہیں۔ اس لئے کہ حکومت کے سامنے چودہ کروڑ عوام کا ایجنڈا نہیں، امریکی ایجنڈا ہے۔ امریکہ کا ایجنڈا کشمیر کی آزادی کے بجائے جہاد ختم کرنا ہے اور مہنگائی کم کرنا نہیں اس میں اضافہ کرنا ہے۔ گذشتہ دو عشروں میں پاکستان سے افغانستان اور کشمیر کی آزادی دو عظیم جہادی تحریکوں کو فکری غذا ملی..... مجاہدین کو یہاں انصار ملے.... یہاں پر لاکھوں مہاجرین کو پناہ دی گئی اور پاکستان کے ہزاروں نوجوانوں نے عملاً جہاد میں شریک ہوکر پاکستان میں ایک نئے جہادی تمدن کی بنیاد رکھی۔ پاکستان کی مدد سے افغانوں نے دنیا کی ایک سپرپاور کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اب قریب تھا کہ کشمیر بھی آزاد ہوجاتا اور بھارت مجاہدین کے ہاتھوں شکست وریخت سے دوچار ہوتا مگر موجودہ حکومت نے جہاد کے بارے میں ساری سکیم ہی بدل ڈالی اور جہاد دشمن اقدامات کئے ہیں۔ عرب مجاہدین کو جلاوطن کرنے سے لے کر حرکت الانصار پر پابندی تک بنیاد پرستوں کو کرش کرنے سے لے کر دینی مدرسوں پر قدغن لگانے تک... اور کشمیر کے جہاد کو بھارت سے دوستی کے نام پر ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بھارتی صحافی کلدیپ نیر سے میاں نوازشریف نے جو گفتگو کی ہے اور جو مختلف اخبارات میں شائع ہوئی ہے، اس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ انہیں بھارت سے دوستی کا مینڈیٹ دیا گیا ہے۔ پاکستانی عوام کشمیری مسلمانوں کے قاتلوں سے دوستی کا مینڈیٹ کیسے دے سکتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ مینڈیٹ انہیں کہیں اور سے ملا ہے۔ یہ امریکی مینڈیٹ ہے۔ اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ ۳ فروری ۱۹۹۷ء کے انتخابات کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے۔ عوام کے سامنے تو دوسری کوئی راہ ہی نہیں تھی، کیونکہ متبادل قوتوں کی کارکردگی بے حد ناقص رہی تھی۔ نوازشریف نے ہی کامیاب ہونا تھا۔ یہ بات سبھی کو معلوم تھی کہ عوام انتخابی عمل میں دلچسپی کھوبیٹھے تھے لہٰذا نام نہاد جمہوریت کو جاری رکھنے کیلئے بونس مارکس دیکر کامیاب کرنا واحد ذریعہ تھا۔ حکومت نے اب تک کے اپنے کارناموں میں سب سے زیادہ موٹروے پر فخر کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بات حکومت کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ قوم کی تعمیر اور ریاست کی تعمیر میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ ریاست سازی قوم سازی کی متبادل

نہیں بن سکتی۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

موٹروے، وزیراعظم سیکرٹریٹ اور چند عمارتیں بنانے سے الجھی ہوئی گرہیں نہیں کھل سکتیں سچ یہ ہے کہ اب تک جتنے کام کئے گئے وہ مصنوعی تھے، صحیح رخ پر کام نہیں ہوا۔ قوم کی کھوئی دولت واپس نہیں آئی لیکن عوام کی جیبوں سے قرض اتارو ملک سنوارو کے تحت مزید کروڑوں روپے نکوالئے گئے۔ معیشت کی بحالی اور امن وامان کے قیام میں بھی حکومت کی کارکردگی انتہائی غیر تسلی بخش ہے۔ گذشتہ دور میں غیر ممالک سے بجلی وغیرہ کے جو غیر منصفانہ معاہدے ہوئے اور جن کی منسوخی بھی مینڈیٹ کا حصہ تھی.... قوم سے وعدہ بھی کیا گیا کہ ہم ان معاہدوں کو ختم کردیں گے لیکن ان وعدوں پر عمل نہیں ہوا۔ پرائیویٹائزیشن کا پورا عمل غیر تسلی بخش ہے۔ اب نئی بیرونی سرمایہ کاری پالیسی میں تعلیم تک نجی ملکیت میں دی جارہی ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کار آئیں گے اور ہمارے بچوں کو اپنے اداروں میں اپنے نظام تعلیم کے تحت تعلیم دیں گے۔ یہ تو خطرناک صورتحال ہے۔ ہمارے پاس تو صرف اپنے نظریئے کی قوت رہ گئی ہے۔ نظریئے کی باگیں بھی اغیار کے ہاتھوں میں دے دی گئیں تو پھر پاکستان کا وجود خطرے میں پڑجائے گا۔ بندرگاہیں اور ائیرپورٹ تک پرائیویٹائز کررہے ہیں۔ ان کو باہر سے ہی لوگ آکر خریدیں گے۔ یہ تو ملک کی سلامتی و آزادی گروی رکھنے کے مترادف ہے۔ افغان جہاد نے اسلام کے احیاء اور امت کی وحدت کے نظریے کو قوت بخشی تھی۔ اس کے نتیجے میں علاقائی، لسانی اور نسلی فتنے دب گئے تھے۔ موجودہ حکومت نے جہاد اور جہادی قوتوں کو کمزور کرکے اور کشمیر، افغانستان اور ایران کے بارے میں مجہول پالیسی اپناکر ان عصبیتوں کو پھر زندہ کردیا ہے یہ طاقتیں دوبارہ سراٹھارہی ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھاکر اور دفاعی بجٹ میں کمی کے شوشے چھوڑنے کے باوجود ہماری معاشی حالت میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں ہوئی۔ میں نے نجی محفلوں میں ملک کے بجٹ سازوں سے کہا " آپ نے بجٹ تین مفروضوں پر بنایا جو سب غلط ثابت ہوئے۔ اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ پہلا غلط مفروضہ یہ تھا کہ تجارت پیشہ اور صنعت کار طبقہ ٹیکس ادا کرے گا، یعنی خواص ٹیکس دیں گے لیکن نیک خواہشات اور اصلاحات کے برعکس اس طبقے نے ٹیکس نہیں دیا چنانچہ محصولات کے ہدف پورے نہیں ہوسکے۔ دوسرا مفروضہ یہ تھا کہ ہندوستان سے دوستی بڑھاکر اور فوج کی تعداد کے جواز کو کم کرکے ہم فوج کے بجٹ میں کمی بھی کردینگے لیکن ہندوستان سے

جھگڑا کم نہیں ہوا ، بلکہ ہندوستان کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی میں مزید شدت آگئی ہے ۔ ہندوستان میں مساجد مسمار کرنے کی نئی لہر اٹھی ہے جو ہندو انتہاپسندی کی قوت کا اظہار ہے ۔ آنے والے انتخابات میں بی جے پی کی کامیابی کے امکانات روشن تر ہیں گویا ہندوستان سے دوستی کا مفروضہ بھی غلط ثابت ہوا ۔ تیسرا مفروضہ یہ تھا کہ ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے احکام پر عمل کرتے ہیں تو وہ کمال مہربانی سے ہمارے مسائل حل کرنے میں مدد دیں گے حالانکہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے پیش نظر معاشی نہیں سیاسی ایجنڈا ہے جو ایٹمی صلاحیت ، مسئلہ کشمیر اور ہمارے عقیدے اور نظریاتی اساس سے متعلق ہے ۔ عالمی مالیاتی ادارے ہم سے سب کچھ لے کر بھی مطمئن نہیں ہوں گے نہ امریکہ ہی خوش ہوگا گویا .....

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

کلنٹن نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو دوطرفہ مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل کرنا چاہئیے ۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیا کی یہ سپر پاور چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو بھی اقوام متحدہ میں لے جاتی ہے لیکن مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ سے باہر حل کرنے کی بات کررہی ہے ۔ اس کا مطلب واضح ہے وہ پاکستان کو بھارت کے تابع کرنا اور کشمیر کے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں ۔ منقسم کشمیر سے اپنا وہ حصہ بھی وصول کرنا چاہینگے ۔ ملک کی معاشی صورتحال خرابی کی آخری حد کو چھوچکی ہے ۔ پہلے بحران کی وجہ سے مارکیٹنگ اور سٹاک ایکسچینج میں کمی کا کوئی جواز تھا ۔ لیکن اب جبکہ بحران حل ہوگیا تو کیا آج حکومت مضبوط معاشی اور سیاسی بنیادوں پر کھڑی ہے ۔ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہی ہے ۔ دراصل حکومت کی مستحکم بنیاد اخلاقی جواز پر قائم ہوتی ہے ۔ مینڈیٹ کے ذریعے حکومت ملتی ہے ۔ حکومت کرنے کا جواز کارکردگی سے حاصل ہوتا ہے ۔ ابھی اس بحران سے پردے اٹھیں گے تو معلوم ہوگا وزیراعظم کے اخلاقی جواز کو سخت نقصان پہنچا ہے ان کا اخلاقی مینڈیٹ ختم ہوگیا ہے ۔ اب وہ محض اس لئے کہ اپنی جگہ پر موجود ہیں کہ قوم کو ان کا متبادل نظر نہیں آرہا یعنی ایک نااہل حکومت کو اس لئے برداشت کیا جارہا ہے کہ وہ نہ ہوئی تو پھر کون ہوگا ؟ ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جس کو " نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن " (NO WIN SITUATION) کیا جاتا ہے ۔

حالیہ مصنوعی بحران نے عوام کے اعصاب کو بری طرح متاثر کیا ہے ۔ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ حالات نے انہیں بند گلی میں پہنچادیا ہے ۔ بدی کی قوتیں یہی چاہتی تھی کہ مایوسی کے زہر سے پاکستان

کے عوام کی بے مثال قوت اور توانائی قتل کردی جائے ۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم حالات کے سامنے سپرانداز ہونے کو تیار ہیں ؟ میرے خیال میں مایوسیوں اور حسرتوں کی کوکھ سے نخل امید پھوٹنے کو ہے ۔ حالات کی ابتری کا انتہا کو پہنچنا ہی اس عظیم انقلاب کا پیش خیمہ بنے گا جس کی طرف میں اپنے مضامین میں اشارہ کرتا رہا ہوں ۔ انقلاب کی شوریدہ سرموجیں دلوں اور روحوں میں امڈ رہی ہیں ۔ مجھے یقین ہے نور ایمان سے سرشار چودہ کروڑ انسان کسی بھی وقت بے قابو ہوکر طوفان میں ڈھل جائیں گے ۔ تاریخ کا سبق بھی یہی ہے کوئی بڑی تبدیلی اس وقت تک نہیں آتی جب تک لوگوں کے دلوں میں نفرت اور شک کی جڑیں مضبوط نہ ہوجائیں ۔ پاکستان میں تمام ادارے ناکام ہوچکے ہیں جو ایک ادارہ بچا ہے اس کا اثر محدود ہے ۔ وہ قوم کی سوچ اور فکر جمود کا شکار ہے ۔ قوم نے ووٹ کی طاقت سے جن لوگوں کو اپنا نجات دہندہ بنایا تھا وہ انہیں بھنور میں ڈال کر خود اس یقین کے ساتھ کنارے پر جابیٹھے ہیں کہ نظام کو کوئی خطرہ نہیں ۔ عوام سے طوفان بننے کی سکت چھین چکی ہے ۔ یہی وہ صورتحال ہے جہاں عوام کی طاقت آخری چارہ کار کے طور پر روبہ عمل آتی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقت آگیا ہے کہ عوام کی طاقت اپنے ابدی اور حیات آفریں نظریے کی رہنمائی میں اٹھے اور سارا ابہام ختم کردے ۔ ایک بار پھر وہی انقلابی کیفیت پیدا ہوجائے جو قیام پاکستان کے وقت تھی ۔ ملک وقوم کا درد رکھنے والے اہل دانش اور نظریہ پاکستان سے روحانی رشتے رکھنے والے کارکن وکارفرماعناصر اب قوم کے زخموں پر مرہم لگانا چھوڑ دیں ..... درد کا احساس شدید تر ہونا چاہئیے تاکہ عوام خود مضطرب ہوکر میدان عمل میں نکل آئیں ۔ اس مسلسل کرب کا ایک ہی علاج ہے کہ ایک بڑے سرجیکل آپریشن کے ذریعے نظام کے پھوڑے سے سارا فاسد مواد نکال دیا جائے ۔ اب محض ادویات کے استعمال سے علاج ممکن نہیں رہا ۔ فوج اور عدالت نے سرجیکل آپریشن کے نام پر جو کچھ کیا وہ ناکام ثابت ہوگیاہے ۔ اب یہ سرجیکل آپریشن صرف عوام کرسکتے ہیں ۔ مگر ضروری ہے کہ ہم افراتفری کے بجائے بہت منظم ہوکر یہ کام کریں ۔ اپنے نظریے پر مضبوطی سے جم کر کھڑے ہوجائیں ۔ عوام کے پاس ایک مکمل انقلاب کی آرزو اور اہلیت موجود ہے ۔ قوم میں انقلابی کیفیت پیدا ہوچکی ہے لیکن اسے مثبت رخ دینا ہوگا کہ کم سے کم نقصان ہو ۔ اس کے بجائے خدانخواستہ ہم خانہ جنگی کا شکار ہوگئے جیسا کہ ہمارے دشمن چاہتے ہیں اور ہمیں غلام بنانے والی استعماری طاقتوں کی خواہش ہے تو عوام کی محرومیاں کسی منفی سمت میں چل پڑیں گی ۔ منفی کوششوں سے اصلاح نہیں ہوگی ، مزید تباہی آئے گی ۔ مزید ہلاکت خیزی ہوگی ۔ مثبت انقلاب میں کس ادارے نے کیا کردار ادا کرنا ہے ، اس پر ہمیں سوچنا ہوگا ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا

—— * بقیہ ص 30 پر